سرسیّد کی علمی/ادبی تحریک کے سندھ اور سندھی ادب پر اثرات

ڈاکٹر محمد یوسف خشک*

Abstract

In this article, the effects of educational and literary services of Sir Syed Ahmad Khan have been highlighted on Sindhi literature and Sindhi people. Just as Sir Syed and his colleagues left a great impact in the field of education and literature in Sindh, Hasan Ali Afandi and his colleagues Molana Allah Bakhsh Abuhjo and Rayees Shams-ud-Din Bulbul also rendered educational and literary services for the development of Sindhi people and Sindhi literature. This comparative study also mentions the services of some other Sindhi natives in the field of educational and literary development.

شخصیات ہوں یا تحاریک، زیادہ مقبولیت اور طویل تاریخی زندگی انہیں مل پاتی ہے جن کے اندر دوسروں کی خدمت کا عملی جذبہ زیادہ موجود ہو جب کہ سرسیّد کی شخصیت اور تحریک کے اندر یہ خصوصیت باقاعدہ موجود تھی۔ تاریخ کی کتب گواہ ہیں کہ اورنگزیب کے جانشینوں میں نہ وہ کام کرنے کی لگن رہی تھی اور نہ رعایا اور حکومت کی سرپرستی کا جذبہ تھا، اس لیے ایک سو پچاس سال کے اندر یعنی ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کا دَور ختم ہوا اور ہندوستان کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھوں سے چلی گئی۔ حکومت اسلامیہ کا نام ونشان بھی ختم ہو گیا، اب معاشی طور پر مسلمان اس حد تک پست ہو چکے تھے کہ ان کو دو وقت پیٹ بھر کر روٹی بھی میسر نہیں آتی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کا تمام جاہ وجلال یکسر ختم ہو چکا تھا۔

ایسی صورتحال میں سرسیّد نے زمانے کا رنگ دیکھ کر خود کو اور مسلم قوم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ مسلمانوں کی بقا اور ترقی کے لیے نئے شعور پیدا کیے جائیں اور زمانے کے اس نبض شناس نے اپنی ذہانت سے وقت کی رفتار اور تقاضوں کو سمجھنے کے بعد نہ صرف دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کی بلکہ اس کے لیے ایک باقاعدہ ایسا مضبوط عملی پروگرام بنایا جو آج بھی ترقی کی راہ کے لیے قابل عمل ہے۔

سرسیّد کی تحریک سیاسی تھی لیکن قومی تحریک ہونے کے ناطے ان کی توجہ تعلیم کی طرف زیادہ تھی کیونکہ انہیں

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور سندھ۔

معلوم تھا کہ تعلیم قوموں کی زندگی میں اہمیت رکھتی ہے اس لیے انہوں نے اس سلسلے میں درسگاہ اور ایک سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس کا اس تحریک پر بہت گہرا اثر ہوا اور مسلمانوں میں ذہنی انقلاب آیا۔ اس سوچ کی بدولت اس دَور میں مشہور ادبی ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے زمانے کے رائج ادبی انداز بھول کر سرسیّد کی اصلاحی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس سلسلے میں ہمت وحوصلے کو لیے سرسیّد کے ہم خیالوں میں نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، حالی، نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، مولوی چراغ علی وغیرہ نمایاں تھے۔ سرسیّد احمد خان کی نظر میں مسلمانوں کی ترقی کے لیے جدید تعلیم ہی بنیادی ضرورت تھی کیونکہ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ جب تک ہندوستان کے مسلمان مغربی علوم وفنون سے ناآشنا رہیں گے اور مغربی معاشرت سے نابلد رہیں گے اس وقت تک مسلمان نہ تو انگریزوں میں گھل مل سکتے ہیں اور نہ ہی ان کا اثر انگریزوں پر قائم ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے انہوں نے مدرسہ غازی پور میں قائم کیا، جس کو انہوں نے بعد میں علی گڑھ میں تبدیل کر دیا۔ (۱)

سرسیّد کی اس تعلیمی تحریک نے خوب اثر پیدا کیا اور برصغیر کے تمام صوبوں کے مسلمانوں میں بیداری کی روح پھونک دی تھی، اس میں سندھ نہ صرف شامل تھا بلکہ عملی طور پر سرسیّد کی اس تعلیمی تحریک کے زیر اثر یہاں جو کاوشیں ہوئیں انہوں نے سندھ کے علم وادب کو کئی نئے مستقل خوبصورت رنگ دیئے۔ سرسیّد کی اس تعلیمی تحریک کے زیرِ اثر جس بیدار مغز اور دانش مند رہنما نے سندھ کے مسلمانوں کو جدید تعلیم اور انگریزی تعلیم کی طرف راغب کیا، وہ خان بہادر حسن علی آفندی تھے (۲)۔ حسن علی آفندی نے علی گڑھ میں سرسیّد اور ان کے رفقا سے تبادلہ خیال کیا، دارالعلوم علی گڑھ کو دیکھا اور اس کی روشنی میں اپنی اسکیم مرتب کی (۳)۔ مرحوم آفندی نے سندھ کے مسلمانوں کی پست اور بے حس و بے حرکت زندگی میں تحرک پیدا کرنے کے لیے سندھ مدرستہ الاسلام کی بنیاد رکھی۔ ۱۴/اگست ۱۸۸۵ء کو اس مدرسے کا افتتاح ہوا اس وقت کراچی کی آبادی ایک لاکھ ۷۰ ہزار سے زیادہ نہیں تھی (۴)۔ اس طرح آپ ''سرسیّد سندھ'' کے لقب سے زندہ جاوید ہوگئے۔ جس طرح سرسیّد کے ساتھی مولانا حالی نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے ''مسدس حالی'' تحریر کی اور نذیر احمد نے معاشرے کی اصلاح کے لیے نثر میں قلمی جوہر دکھائے، اس طرح حسن علی آفندی کے ساتھی مولانا اللہ بخش ابوجھو نے ''مسدس ابوجھو'' تحریر کی اور رئیس شمس الدین بلبل نے ''رحیما لطیف'' تحریر کی۔ سرسیّد احمد خان کے دیگر رفقاء کار علامہ شبلی نعمانی، نواب وقار الملک، نواب محسن الملک، مولوی ذکاء اللہ اور مولوی چراغ علی وغیرہ کی طرح سندھ کے سرسیّد، حسن علی آفندی کے مشن کو کامیاب وکامران بنانے کی خاطر اسی انداز میں سندھ کے جن ارباب علم ودانش نے مسلسل محنت وکاوش اور پیہم جدوجہد کی، ان میں

مخدوم الشعرا الحاج محمود خادم لاڑکانوی، مرزا قلیچ بیگ، میر عبدالحسین سانگی اور شمس الدین بلبل کے اسمائے گرامی ہماری قومی تاریخ میں روشن میناروں کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ سندھ مدرسہ کو تو یہ بھی فخر حاصل ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح جیسے طالب علم بھی یہاں سے مستفید ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں محمد یوسف عطا لکھتے ہیں کہ

> ''سندھ مدرسہ' کے ہیڈ ماسٹر ایس ناصر حسین نے فخر سے مجھے اسکول کا ریکارڈ پڑھ کر سنایا جس سے معلوم ہوا کہ جناح کے نام سے ایک لڑکا جسے قدرت نے منفرد قوم کا معمار بنانے کا فیصلہ کیا تھا وہ تین دفعہ اس اسکول میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے ۴/جون ۱۸۸۷ء میں داخل ہوئے، بعد میں اسکول چھوڑ گئے، دوسری بار ۷/جنوری ۱۸۸۸ء میں داخل ہوئے اور ۷/جولائی ۱۸۸۸ء کو اسکول چھوڑ گئے اور تیسری دفعہ ۹/فروری ۱۸۹۱ء میں اسکول میں داخل ہوئے اور ۳۰/جنوری ۱۸۹۲ء کو اسکول چھوڑا۔ سندھ مسلم کالج کی حیثیت سے قائداعظم نے ہی اس ادارے کا افتتاح کیا۔ قائداعظم کی اس ادارے کے ساتھ آخر تک اتنی محبت رہی کہ اپنی ملکیت کا بڑا حصہ سندھ مدرسہ کو وصیت میں دے گئے۔''(۵)

سرسیّد احمد خان نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی تو اس کے زیر اثر حسن علی آفندی نے سندھ محمد ایسوسی ایشن کی داغ بیل ڈالی۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ جب اس انجمن کی معرفت سندھ مدرسہ کے لیے چندہ اکٹھا ہونا شروع ہوا تو جس طرح سرسیّد کے مخالفین نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اسی طرح یہاں پر بھی آفندی کی مولویوں نے خوب مخالفت کی۔ اس حد تک کہ گالیاں بھی خطوط میں بھیجی گئیں۔ ایک شخص نے آپ کو ایک خط میں لکھا:

''اي حسن علي وكيل توكي خدا ذليل كري''(۶)

سخت مخالفت کے باوجود آپ سرسیّد کی طرح اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مستقل جدوجہد کرتے رہے۔ حسن علی آفندی نے سندھ مدرستہ الاسلام شروع کر کے سندھ کے مسلمانوں میں مغربی تعلیم کے توسط سے بیداری پیدا کی اور ان کے ہم خیالوں، سید الہند وشاہ نے نوشہرو فیروز میں انگریزی مدرسہ کی بنیاد رکھی، جہاں سے شمس العلماء داؤد پوتہ جیسے لوگ بھی فیض یاب ہوئے (آپ کے فرزند سال ۲۰۰۰ء میں صوبہ سندھ کے گورنر تھے۔) اب

یہ مدرسہ ہائی اسکول نوشہرو فیروز کی صورت میں موجود ہے۔ تیسرا اسی طرح کا اسکول پتھورو میں جناب غلام نبی شاہ نے بھی کھولا جو پتھورو میں کامیاب نہ ہوسکا جس کی وجہ سے اسے میر پور خاص منتقل کیا گیا۔ اسی طرح لاڑکانہ میں وہاں کے زمینداروں کی کوشش سے اور مسٹر پیٹر آئی۔ سی۔ ایس کلکٹر لاڑکانہ کی خاص توجہ سے ایک مدرسہ قائم کیا گیا (۷)۔ (یہ مدرسہ انگریزی پانچویں جماعت تک کی تعلیم کے لیے قائم کیا گیا) ۱۹۰۶ء میں شمس الدین بلبل نے میہڑ میں مدرستہ الاسلام قائم کیا جو بعد میں مدرسہ ہائی اسکول بن گیا۔

سرسیّد نے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا تو سندھ میں حسن علی آفندی نے ۱۸۹۹ء میں ہفت روزہ اخبار ''معاون'' کراچی کا اجراء کیا اور اس کی ادارت کے فرائض شمس الدین بلبل کے سپرد کیے۔ بلبل ''معاون'' کے علاوہ مختلف اخبارات ''کراچی گزیٹ''، ''خیر خواہ'' لاڑکانہ، ''مسافر'' حیدرآباد، ''الحق'' اور ''آفتاب'' سکھر کے بھی مدیر رہے۔ ان اخبارات نے جدوجہد آزادی جاری رکھنے اور سندھی مسلمانوں میں سیاسی شعور اور علمی و تعلمی رجحانات پیدا کرنے میں خاص حصہ لیا۔

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ اس تحریک کی لہر کا اثر تھا کہ اپنے مقصد کی حاصلات کے لیے یہاں کے لکھاریوں نے بھی اپنے قلم کی جولانیاں پیش کیں جیسے ۱۸۹۹ء میں ''باقرانی اسٹیشن'' کے نزدیک گاؤں ٹھلہ سے پیر ابوالقاسم مظہر الدین نے ماہنامہ ''الاخوان المسلمون'' جاری کیا، سنہ ۱۹۰۰ء میں مولانا تاج محمد امروٹی نے ماہنامہ ''ہدایت الاخوان'' جاری کیا، سنہ ۱۹۰۴ء میں محمد ہاشم مخلص نے ماہنامہ ''تحفہ احباب'' جاری کیا۔ ۱۹۰۵ء میں محمد اسماعیل جان سرہندی نے ٹکھڑ سے مذہبی رسالہ ''بہار اخلاق'' جاری کیا۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں محمد ہاشم مخلص نے ماہنامہ ''جعفر زٹلی'' جاری کیا، ۱۹۱۳ء میں محمد صالح بھٹی اور حکیم فتح محمد سیوہانی کی سرپرستی میں کراچی سے ماہنامہ ''الاسلام'' شروع ہوا، ۱۹۱۶ء میں حکیم محمد صادق رانی پوری نے رانی پور سے ''صحیفہ قادریہ'' جاری کیا جس میں طبی معلومات کے ساتھ اسلام اور اخلاق کے متعلق مضامین ہوتے تھے اور ان ماہناموں میں شائع ہونے والی تحریروں کو پڑھنے کے بعد یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ان تمام کاوشوں کی منزل ایک ہی تھی۔

سندھ میں مسلمانوں کی تعلیمی بدحالی اور معاشی زوال کا سب سے پہلے ذکر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سولہویں اجلاس میں ہوا تھا۔ یہ اجلاس دہلی میں ۱۹۰۲ء میں ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت کے فرائض ہز ہائینس سر آغا خان نے سرانجام دیئے تھے۔ اس اجلاس میں محمد علی خان دہلوی بیرسٹر کراچی (جو بعد میں کونسل کے ممبر ہوئے اور انہیں ''سر'' کا خطاب ملا) سندھ کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی تھی، اس کی اس کوشش اور نواب محسن الملک کی تائید سے اس وقت مندرجہ ذیل تجویز منظور ہوئی:

''اس کانفرنس کے لیے لازم ہے کہ اپنے تعلیمی اور اصلاحی کام کے
دائرے کو وسیع کرے اور سندھ کے ان مسلمانوں سے شرکت کرے
جو سندھ میں تعلیم کی اصلاح کے لیے جدوجہد میں مصروف ہیں
کیونکہ صوبہ سندھ کی حالت بہت خراب ہو چکی ہے۔''(۸)

اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے کانفرنس کے رہنماؤں نے سندھ کے دورے کیے اور حالات کی رپورٹ کانفرنس میں پیش کی اور بالآخر جب آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا بیسواں اجلاس ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں ہوا تو اس وقت سردار محمد یعقوب وزیر خیر پور میرس، سندھ کے مسلمانوں کی تعلیمی صورتحال پر دردناک رپورٹ پیش کی اور سینٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کو درخواست کی کہ آئندہ اجلاس سندھ میں کیا جائے، اس وقت تک سندھ کی آبادی ۳۲ لاکھ ۱۰ ہزار ۹ سو ۱۰ افراد پر محدود تھی اور اس میں ساڑھے ۲۴ لاکھ مسلمان تھے(۹) جس کی وجہ سے ڈھاکہ کانفرنس میں نواب محسن الملک نے فیصلہ کیا کہ ۱۹۰۷ء کا اجلاس سندھ کے دارالحکومت کراچی میں منعقد کیا جائے (۱۰)۔

دسمبر کے آخر میں یہ اہم اجلاس بلایا گیا، ۲۲ دسمبر سے مہمانوں نے آنا شروع کر دیا تھا۔ اس کانفرنس کے سارے اخراجات والی ریاست خیر پور میر فیض محمد خان کی طرف سے ان کے وزیر شیخ صادق علی نے ادا کیے تھے(۱۱) اور اسی اجلاس میں علی گڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی قائم کرنے کے لیے قرارداد بھی خیر پور ریاست کے وزیر شیخ صادق علی خان نے ہی پیش کی تھی جو کہ بہاولپور کے وزیر مولوی رحیم بخش کی پُرزور تائید کے بعد منظور کر لی گئی تھی (۱۲)۔

اس اجلاس میں جو قراردادیں منظور ہوئیں ان کو پیش کرنے میں اور تائید کرنے والوں میں شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ ڈپٹی کلکٹر، شیخ صادق علی وزیر خیر پور، علی محمد خان دہلوی بیرسٹر (جو بعد میں انڈیا کونسل کے ممبر بنے، آپ کے فرزند منظور قادر پاکستان کے وزیر قانون رہے) ڈاکٹر ایس جی حاجی، منشی محبوب عالم مدیر ''پیسہ'' اخبار لاہور، شیخ عبداللہ وکیل علی گڑھ، محمد شفیع بیرسٹر لاہور، سیٹھ طیب علی بھائی کراچی، میر اللہ بخش، حاجی عبداللہ ہارون (پاکستان تحریک کے علمبردار تھے) عبدالسلام رفیقی، خان بہادر شیخ صادق علی رئیس اعظم امرتسر، خان بہادر مولوی رحیم بخش وزیر اعظم ریاست بہاولپور، میجر سیّد حسن بلگرامی، سیّد نواب علی چودھری رئیس کلکتہ وغیرہ شامل تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو تقریباً صدی پہلے برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی تعلیمی اصلاح کے لیے جدوجہد کرتے رہے (۱۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''تاریخ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس''۔

سندھ کی ریاست خیر پور کی سرسیّد کی علمی ادبی تحریک سے محبت کے حوالے سے یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ میر صاحبان تو اس تحریک سے اس حد تک متاثر تھے کہ انہوں نے نہ صرف کراچی میں ہونے والے اجلاس کے

اخراجات ادا کیے بلکہ اس کے علاوہ ریاست خیر پور ہندوستان کے کافی تعلیمی اداروں کی مدد کرتی رہی۔اس سلسلے میں اس وقت کے کمشنر مسٹر ینگ ہسبنڈ نے ۱۹۰۷ء کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''ہمیں میر علی مراد خان مرحوم اور ان کے جانشین میر فیض محمد خان کا شکر گزار ہونا چاہیے جنہوں نے سندھ کے مسلمانوں کی تعلیم میں زیادہ دلچسپی لی ہے اور جنہوں نے اس صوبے کے شاگردوں کے لیے علی گڑھ اور دیگر کالجز میں تعلیم کے لیے شاہانہ اسکالرشپس دی ہیں۔''(۱۴)

اس کے علاوہ اس ریاست نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک اجلاس ۱۹۱۹ء میں شہر خیر پور میں بھی منعقد کروایا اور اس کے بھی سارے انتظامات ریاست خیر پور نے کیے تھے(۱۵)۔۱۹۲۰ء میں اسی ریاست کی جانب سے محمڈن یونیورسٹی علی گڑھ کو ایک لاکھ روپیہ کا عطیہ بھی پیش کیا گیا(۱۶)۔

اب میں موضوع کے دوسرے حصے کی طرف آتا ہوں۔اگر صرف ادبی زاویے سے دیکھا جائے تو یہ بھی ایک طویل موضوع ہے جس کی تفصیل راقم اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے بعنوان ''اُردو سندھی کے ادبی روابط'' میں پیش کر چکا ہے(۱۷)۔ یہاں پر صرف موقع کی مناسبت سے شاعری اور نثر میں سے ایک ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔شاعری کے ذیل میں اس تحریک کی دو اہم شخصیات جو شاعر بھی تھیں ان ہی کو بطور مثال پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔سر سیّد احمد خان کی اس تحریک کے زیر اثر جب مولانا الطاف حسین حالی نے مسدس حالی تحریر کی تو سندھ میں حسن علی آفندی کے رفیق مولوی اللہ بخش ابوجھو نے سندھ کی عوام میں بیداری پیدا کرنے کے لیے مسدس ابوجھو تحریر کی جو کہ زیادہ تر مسدس حالی کا ترجمہ ہے لیکن ابوجھو نے اپنی طرف سے اضافے بھی کیے ہیں۔دونوں شعرا کی نظموں میں سے ایک ایک بند بطور نمونہ ملاحظہ ہو۔

مسدس حالی اور مسدس ابوجھو میں اس وقت کے مسلمانوں کی ایک جھلک:

<u>مسدس حالی:</u>

اگر سانس دن رات کی سب گنیں ہم تو نکلیں گے انفاس ایسے بہت کم
کہ ہو جن میں کل کے لیے کچھ فراہم یوں ہی گزرے جاتے ہیں دن رات پیہم
نہیں کوئی گویا خبردار ہم میں
کہ یہ سانس آخر ہیں اب کوئی دم میں (۱۷)

مسدس ابوجھو:

نہ پنھجي درتي سان سچاتي رھوتا   نہ کوپان م صلح جو رس رکون تا

نہ غيرن جي دل م محبت وجھون تا   نہ غيرت ونی کوسدارو کريون تا

نه دنيا جی حاصل کريون سرفرازي

نـــہ دينی کمن م اتون راستبازي (۱۸)

اسی طرح ایک مثال نثری اصناف میں سے بھی پیش کی جاتی ہے۔ سرسیّد کی اس تحریک میں مضمون نویسی کو بھی بڑی اہمیت حاصل رہی ہے جس کا مقصد اپنے لوگوں کی ذہنی پرورش کر کے انہیں اس قابل کرنا تھا کہ وہ وقت اور حالات کے دھارے کو سمجھ کر منزل کا رُخ اختیار کریں، کوئی شبہ نہیں کہ سندھی الف ب تیار ہونے کے بعد ان میں سندھی کتب تیار ہوئیں، ان میں تاریخی، سماجی اور اصلاحی مضامین ملتے ہیں لیکن ان ابتدائی کوششوں کے بعد مضمون نویسی کو سندھی ادب میں حقیقی فروغ مرزا قلیچ بیگ کے ہاتھوں ہوا۔ انہوں نے نہ صرف سندھی ادب کو مضمون نویسی سے آشنا کیا لیکن ایسے مضامین تحریر کیے جو مکمل مضامین تھے۔

جب مرزا صاحب بمبئ میں طالب علم تھے تو انہوں نے لارڈ بیکن کی کتاب "Beacon's Essays" کا ترجمہ ۱۸۷۹ء میں ''مقالات الحکمت'' کے نام سے کیا۔ باوجود ترجمہ ہونے کے مشاہدے کی وسعت کے سبب مرزا صاحب نے اس میں اپنی طرف سے اضافے بھی کیے ہیں۔ مضمون نویسی کے حوالے سے سندھی نثری ادب میں ''مقالات الحکمت'' کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بعد آپ کے دوسرے مجموعے کا نام ''تہذیب الاخلاق'' ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرزا قلیچ بیگ نے انگریزی ادب سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس صنف کے سلسلے میں سرسیّد کی تحریروں کا بھی بخوبی مطالعہ کیا تھا کیونکہ اسی نام سے پہلے سرسیّد احمد خان کی زیرادارت مقبولیت حاصل کرنے والا رسالہ علی گڑھ سے شائع ہو چکا تھا جو کہ سرسیّد کی اصلاحی تحریک کا ترجمان بھی تھا جسے سرسیّد نے یورپ کے سیر و سفر کے بعد شائع کرنا شروع کیا تھا۔ مرزا صاحب نے نہ صرف نام وہی پسند کیا بلکہ اس میں سرسیّد کی طرح مضامین بھی وہی پیش کیے ہیں جو تہذیب اور شائستگی و قومی عزت کا احساس پیدا کرتے ہیں۔

حاصل مقصد یہ ہے کہ اس تحریک کے اثر سے یہاں کے عوام میں اسلامی مساوات و قومی وحدت کے جذبات اور آزادی وطن کی تڑپ کے ساتھ خوداعتمادی، خودشناسی اور تعلیمی ترقی و عروج کے احساسات تیز ہوئے اور ہمارے بزرگوں کے انہی احساسات کے نتیجے میں ہمیں آزاد وطن پاکستان نصیب ہوا۔

حوالہ جات:

۱۔ مولانا الطاف حسین حالی، حیات جاوید، نیشنل بک ہاؤس، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۱۲۴۔

۲۔ تذکرہ لطفی، جلد تیون، ص ۴۶۱۔

۳۔ علی گڑھ تحریک کا شاہکار، ''سندھ مدرسۃ الاسلام''، الطاف علی بریلوی، ص ۱۰۔

۴۔ Imperial Gazeter, p.4.

۵۔ محمد یوسف عطار، قائداعظم جو وطن کراچی، سندیکار: عیسیٰ نظامانی، نئین زندگی، ستمبر ۱۹۶۵ء، ص ۳۲۔

۶۔ ضیاءالدین بلبل، تحریک آزادی م سند جو حصو، نئین زندگی، ستمبر ۱۹۶۶ء، ص ۲۸۔

۷۔ خطبات عالیہ یعنی آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ چہل سال خطبات صدارت کا مجموعہ، حصہ دوم، مرتب مولوی انوار احمد زبیری و مارہروی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۱۹۲۸ء، ص ۴۲۔

۸۔ مسلمان ءِ تعلیم، تصانیف شمس الدین بلبل۔۳، مرتب غلام محمد گرامی، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ، ۱۹۷۷ء، ص ۳۰۔

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً ص ۳۳۔

۱۱۔ رپورٹ آل انڈیا محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۰۷، انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ، ۱۹۰۸ء، ص ۱۱۔

۱۲۔ ایضاً ص ۱۹۷۔

۱۳۔ مسلمان ءِ تعلیم، تصانیف شمس الدین بلبل۔۳، مرتب غلام محمد گرامی، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ، ۱۹۷۷ء، ص ۳۸۔

۱۴۔ رپورٹ آل انڈیا محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۰۷، انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ، ۱۹۰۸ء، ص ۱۸۔

۱۵۔ دین محمد وفائی، الوحید سندآزاد نمبر کراچی، ۱۹۶۳ء، ص ۱۰۶۔

۱۶۔ بشارت علی زیدی ''دارالسرور خیر پور''، مطبع العلوم مرادآباد، ۱۹۱۵ء، ص ۱۸۔

۱۷۔ مولانا الطاف حسین حالی، مسدس حالی۔

۱۸۔ اللہ بخش ابوجھو مولوی، مسدس ابوجھو، سندھی مسلم ادبی سوسائٹی، ۱۹۲۴ء، ص ۶۸۔